بحث و نظر

اُردو الحدیثہ[1] اور مسئلہ اصطلاحات

از الدکتور سلیم الدین

(۱)

جدید تقاضوں کو مدّنظر رکھتے ہوئے اُردو اصطلاحات کی طرف خاص توجہ کی ضرورت ہے۔ کوئی شخص خواہ استاد ہو یا ڈاکٹر، وکیل، انجینیر، سیاست دان، تاجر، جغرافیہ دان، سائنسدان، محاسب، بنک کار یا کلرک ہو، ہر ایک یہ سوال کرتا ہے کہ فلاں چیز کو اُردو میں کیا کہیں گے۔ ہوتا یہ ہے کہ چند اصطلاحات مل جاتی ہیں، بہت سی نہیں ملتیں۔ خصوصاً اعلیٰ تعلیمی سطحوں پر مشکلات پیش آتی ہیں۔

جو اصطلاحات اُردو میں موجود ہیں ان کا ماخذ مختلف زبانیں ہیں۔ مثلاً عربی، فارسی، ہندی ترکی، انگریزی وغیرہ۔ اندریں صورت اصطلاحات میں ہم آہنگی نہیں پائی جاتی اور وہ آسانی سے یاد بھی نہیں کی جا سکتیں۔ کیونکہ کوئی ایک زبان اصطلاحات کے اساسی ماخذ کے طور پر ہمارے سامنے نہیں ہے۔ انگریزی کو یہی فوقیت حاصل ہے کہ اس کی اصطلاحات کا اساسی ماخذ لاطینی زبان ہے۔ اُردو کے لیے کسی ایک زبان کو اس مقصد کے لیے اساسی حیثیت دینا ضروری ہے۔

اُردو کی اس ضرورت کو عربی بہترین طور پر پورا کرتی ہے کیونکہ اس میں بے انتہا فصاحت ہے۔ اصطلاحات کا ماخذ بننے کی صلاحیت موجود ہے۔ پہلے سے اصطلاحات وضع ہوتی رہی

[1] یعنی جدید اُردو

ہیں۔ اور مصر اور بیروت کی تعلیم گاہوں اور عالم عربی کے اخبارات اور مصنفین کی تحریروں میں مستعمل ہیں۔ لغت کی کتابوں میں شامل ہیں اور ان میں برابر اضافہ ہو رہا ہے۔

اوّل تو ضرورت کی تمام اصطلاحات بنی بنائی اردو والوں کو مل سکتی ہیں، نئی بنانی پڑیں تو مصر و بیروت کے پروفیسروں اور دانشوروں سے مشورہ لیے بغیر قدم نہ بڑھایا جائے جس طرح لاطینی اصطلاحات تمام یورپین زبانوں کے لیے منبع کا کام دے رہی ہیں، اسی طرح عربی اصطلاحات مشرقی زبانوں کے لیے منبع کا کام دیں گی۔

اصطلاحات سازی میں چند مستثنیٰ صورتیں بھی ہوتی ہیں، مثلاً:۔

۱۔ بعض اوقات کسی بھی دوسری زبان سے اکا دکا اصطلاحات اٹھائی جاتی ہیں۔

۲۔ بعض صورتوں میں اصل زبان کے اسم خاص ہی کو اختیار کر لیا جائے گا مثلاً ٹیلی وژن

اردو سولغۃ الباکستان یعنی پاکستان کی قومی زبان ہے اس میں جتنے زیادہ سے زیادہ عربی کے الفاظ داخل کر دیے جائیں اتنا ہی بہ حیثیت مسلمان ہمارے لیے مفید ہوگا یعنی بین الاقوامی تقاضوں کے تحت اردو کو ایک ہم کے طور پر عربیانے کی ضرورت ہے۔ بطور مثال مروجہ اردو الفاظ و مرکبات کے مقابلے میں عربی الفاظ و مرکبات درج کیے جاتے ہیں جو بولنے اور لکھنے میں سہل ہیں۔ ان کو اختیار کر لینا چاہیے۔ ملاحظہ ہوں۔

1-	CASUALITY (DEPARTMENT)	شعبہ حادثات یا شعبہ ضرب شدید	قسم اسعاف السریع
2-	X-RAY DEPARTMENT	شعبۂ ایکسرے	قسم الاشعاع
3-	MALE NURSE	میل یا مرد نرس	ممرّد
4-	FEMALE NURSE	عورت نرس	ممردہ
5-	RECEPTION	استقبالیہ	استعلامات
6-	VACCINATION	ٹیکہ	تطعیم
7-	LEFT_RIGHT	چپ راست	یسر یمین
8-	AIR LINES	ہوائی راستے (یا سروس)	خطوط الجویہ

اور مثالیں بھی ہیں، مگر ہم نے چند اہم کو پیش کر دیا ہے۔

(۲)

ایڈیٹر ترجمان القرآن کی رائے

میں اس جذبے کی سچے دل سے قدر کرتا ہوں جس کے تحت میرے معزز بھائی ڈاکٹر سلیم الدین صاحب نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے اور اردو میں عربی اصطلاحات کو رائج کرنے کی تجویز پیش کی ہے۔ اس جذبے کا ایک پہلو دینی ہے، دوسرا لسانی۔

مگر دوسری طرف قابلِ غور مسئلہ یہ ہے کہ زبانوں کے ظہور، ان کے نشوونما، ان کے محاوروں اور اصطلاحات کی تشکیل اور ان میں تبدیلی منطقی طور پر نہیں بلکہ معاشرتی، تمدنی احوال کے ساتھ ساتھ زیادہ تر سماعی طور پر ہوتی ہے۔ مثلاً میں یا میرے جیسے دسیوں دوست کچھ الفاظ یا محاوروں یا اصطلاحات کو کتنا ہی ناپسند کریں، اگر وہ زبانِ خلق پر چڑھ جائیں تو کوئی روک نہیں سکتا۔ اسی طرح ہم کچھ چیزوں کو کسی زبان کا جز اور مقبولِ عام بنانے کے لیے ہزار تدبیریں اختیار کریں، مگر ہم کچھ نہ کر سکیں گے۔ زبان کے مختلف الفاظ اور محاورات اور اصطلاحات کا بننا، رائج ہونا اور ٹوٹ پھوٹ کر غائب ہو جانا بڑی حد تک غیر اختیاری عمل ہے۔

ایک وقت میں مولانا آزاد، مولانا محمد علی جوہر اور مولانا ظفر علی خاں کی زبان کو رواج حاصل ہوا تھا۔ جس کے نسخے میں عربیت کا جز خاص زوردار تھا۔ مگر وہ زبان آگے نہ چل سکی۔ نئی زبان نے اس کی جگہ لے لی۔ ایک دور تھا کہ وہ ادبی اسلوب ابھرا جس کی بالائی سطح سید سجاد حیدر یلدرم کی تحریروں میں ملتی ہے۔ اور زیریں سطح اختر شیرانی کے ہاں۔ پھر ایک وہ طرزِ بیان تھا جس کا ایک نمونہ رابندر ناتھ ٹیگور نے پیش کیا۔ دوسرا فلک پیمانے اور تیسرا "ادبِ لطیف" کا عنوان پانے والی نگارشات نے۔ مگر زبان سب سے فائدہ اٹھاتی اور کثیر اجزا کو پیچھے چھوڑتی کہاں کی کہاں آ پہنچی۔

بعض تجربات تاریخ میں ایسے ہیں کہ حکومتوں نے وسیع اختیارات سے کام لے کر جبراً کوئی زبان (یا نظامِ اصطلاحات) کسی قوم پر ٹھونسی اور برسوں کی جبریت نے نئی زبان کو ذہنوں

میں جڑیں اُتارنے کے لیے خوب مدد دی۔ مگر طویل جبریت کے ماسوا کوئی اور صورت زبان کو مصنوعی طور پر کسی اچھے مقصد کے لیے بھی بدلنے کی ممکن نہیں ہے۔

ایک مثال دیتا ہوں، غالباً مولانا ظفر علی خاں نے ایکسرے کا ترجمہ عکس ریز کیا تھا معنوی تعلق کے ساتھ ساتھ لفظی مناسبت بھی موجود ہے اور اصطلاح خوبصورت ہے۔ مگر رائج العام نہ ہو سکی۔ لوگ آج ایکسرے ہی بولتے اور لکھتے ہیں۔ اب آپ کیسے توقع کرتے ہیں کہ ایکسرے کا ترجمہ "قسم الاشعاع" مقبول ہو سکے گا۔ شہری سے دیہاتی تک اور تعلیم یافتہ سے اَن پڑھ آدمی تک سب کو اس سے مطلب ہے اور وہ بھی چلے گی جسے سب لوگ بول سکیں اور جلد سمجھ سکیں۔ "قسم الاشعاع" کہتے تو بہت ہی بہت سے طلبہ مڈل کے درجوں میں جا کر سکیں گے۔ اسی طرح "استقبالیہ" جو خوب اچھی طرح مروّج ہے اور اس کی بنیاد بھی عربی مادے ہی پر ہے، اس کی جگہ اگر آپ یہاں ایکٹ بھی پاس کر دیں تو استقبالات کو رواج نہ مل سکے گا۔

انگریزی زبان کے ذہنی تسلط کی دو وجہیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ ایک حاکم قوم نے قاہری اور ساحری سے اپنی پالیسیاں چلاتے ہوئے انگریزی کو ہم پر ٹھونسا اور تعلیم اور ملازمتوں اور ذرائع معاش وغیرہ مؤثر ذرائع سے اس کی بنیادیں مضبوط کیں، دوسرے انگریزی زبان کی پشت پناہی ایک عالمگیر تہذیب، ایک پھلتا پھولتا تمدن، اچاہے اس کی ساخت میں کتنے ٹیڑھ ہوں، سائنسی ایجادات اور معالجاتی ترقیات اور کثرتِ علوم و فنون جیسی قوتیں کر رہی ہیں۔ عربی جب ایک عظیم الشان تہذیب کے علمبرداروں کے ذریعے آگے بڑھی تھی اور ایجادات، تعمیرات، فنون اور مختلف علوم کی قوتیں اس کے ساتھ تھیں تو ملک کے ملک اس کے سامنے مفتوح ہوتے چلے گئے۔ اور کتنی ہی قوموں نے بغیر کسی جبریت کے اپنی زبان چھوڑ کر عربی کو ایسا اپنایا کہ "من تو شدم، تو من شدی" کا سماں پیدا ہو گیا۔

اب عربی کا علم اُٹھا کے چلنے کے لیے اسلام کی عظیم الشان تہذیب کے بلند کردار انقلابی سپاہی موجود نہیں ہیں۔ اب ہم عربی سے اپنے دین کی وجہ سے جو محبت رکھتے ہیں اُسے دوسروں کے اندر تو کیا اُتاریں گے، خود خادمانِ دین بلکہ رہنمایانِ دین کی صفوں میں ایک بڑی تعداد عربی سے بے بہرہ ہے اور ہمارے معاشرے میں عربی زبان بولنے سمجھنے والا جو طبقہ پایا جاتا ہے، معاشرے

ہیں اسے ایسی ذہنی قیادت اور سچی قبولیتِ عام حاصل نہیں ہے کہ وہ ایک اشارہ کرے تو لوگ "شکریہ" ادا کرنے کے بجائے "شکراً" کہنے لگیں۔

برادرم ڈاکٹر صاحب! یہاں متعدد ادارے، بورڈ اور کمیٹیاں اور جرائد اصطلاحات بنانے اور انگریزی اصطلاحات کا ترجمہ کرنے کے لیے کام کر رہے ہیں۔ ان میں سے اکثر فارسی اور عربی کی اصطلاحات یا متعلقہ مادّوں کو بھی سامنے رکھتے ہیں، ساتھ ہی یہ سوچتے ہیں کہ قبولِ عام حاصل ہونے کا امکان کس لفظ یا ترکیب کے مقابلے میں کس لفظ یا ترکیب کے حصے میں جاتا ہے۔

ممکن ہے کہ میری گذارشات آپ کو یا دوسرے حضرات کو ناپسند ہوں، مگر میں جس چیز کو جس شکل میں حقیقت سمجھتا ہوں، اسے اسی طرح پیش کر سکتا ہوں۔ آپ کے مخلصانہ جذبے میں بھی حصہ دار ہوں، مگر عملاً صورت یہ ہے کہ زبان کا تیز رَو اور چوڑے پاٹ والا دریا تیزی سے بہہ رہا ہے، آپ یا میں ساحل پہ کھڑے ہو کر یا کسی کشتی میں بیٹھ کر نہ اپنی منطق سے اس کے رُخ کو بدل سکتے ہیں اور نہ اشارۂ ابرو سے اس کی موجوں کی اُفت و خیز میں کوئی تغیر پیدا کر سکتے ہیں۔

میری مؤدبانہ گذارش یہ ہے کہ ہر اُس شخص کو جو دین اور انسانیت کی خدمت کرنا چاہتا ہے، زیادہ کاوش اس امر کی کرنی چاہیے کہ وہ کسی بھی علاقے کے لوگوں کی مقبولِ عام زبان کو معلوم کرنے اور ان کے لسانی رجحانات اور صوتی ذوق کا صحیح اندازہ لگانے کی کوشش کرے اور پھر انتہائی سہل الفہم اور دلنشیں انداز سے لکھنے اور بولنے کی راہیں نکال کر دین اور دعوتِ دین کو پیش کرے۔ جہاں جہاں دین سے سچی محبت پیدا ہوگی، خدا اور رسولؐ سے وابستگی بڑھے گی، وہاں از خود عربی زبان کی طرف بھی جھکاؤ ہوتا جائے گا۔ ہمارا اصل مقصود غلبۂ دین، اصلاحِ اخلاق اور فروغِ شائستگی ہے اور اس کام کے لیے دُنیا کی ہر زبان کو استعمال کرنا چاہیے۔ دُنیا کے ہر انسان کو پکارنے کے لیے ہم اُس کی پسندیدہ زبان، پسندیدہ الفاظ، پسندیدہ لہجوں اور پسندیدہ اصوات کو برت سکیں۔

اگر کوئی بات ناگوارِ خاطر ہو تو بہ ادب معذرت خواہ ہوں۔